افسانے میں روحانیت اور مادّیت کی کشمکش

(قدرت اللہ شہاب، ممتاز مفتی، اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے خصوصی مطالعے کے ساتھ)

تہمینہ نور: ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

اردو ادب کی ابتدا سے ہی روحانی موضوعات زبان و ادب کا حصّہ بنتے رہے ہیں مگر ساتھ ساتھ مادّیت پرستی یا مادّیت کا موضوع بھی شروع سے ہی اُردو زبان و ادب کا حصّہ رہا ہے اور ان کے درمیان کشمکش بھی جاری رہی۔ یہ کشمکش اردو افسانے میں بھی نظر آتی ہے۔ اردو افسانے میں روحانیت اور مادّیت کی کشمکش کا جائزہ لینے سے قبل چند اہم اصطلاحات کی تعریف اور ان اصطلاحات سے متعلق مختلف نظریات کا مختصر ذکر ضروری ہے۔ اس حوالے سے یہاں تصوّف اور مادّیت کی تعریفیں پیش کی جا رہی ہیں۔

اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے مطابق ''تصوّف سے مراد وہ مسلک ہے جس کے وسیلے سے صفائی قلب حاصل ہو، تزکیہ نفس کا طریقہ، اشیائے عالم کو صفاتِ حق کا مظہر جاننا، علمِ معرفت''۔[۱] ''نور اللغات'' کے مطابق: تصوّف سے مراد ہے'' (پشمینہ پہننا۔ صوف مادّہ۔ اون۔ ایک قسم کا پشمینہ) مذکر (صوفیوں کی اصطلاح) دل سے نفسیاتی آلائشوں جسمانی خواہشوں کو دور کر کے اشیائے عالم کو خدا کا مظہر سمجھنا۔ اگلے زمانے میں اکثر صوفی اُون کے کپڑے پہنا کرتے تھے اس واسطے ان کے اعمال و افعال کو بھی مجازاً تصوّف کہنے لگے۔ بعض کے نزدیک تصوّف صوف سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں کنارہ کرنا۔ منھ پھیرنا۔ چونکہ واصلانِ الٰہی ماسوا اللہ تعالیٰ سے کنارہ کر کے فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے ان کے فعل کا نام تصوّف ٹھہرا''۔[۲] اس کے علاوہ دیگر لغات میں بھی تصوّف کے کم و بیش یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔

جبکہ مادّیت فلسفے کا ایک نظریہ ہے جس کی رو سے مبداء کائنات ''مادّہ'' ہے۔ مادّے کے علاوہ کوئی اور حقیقت مطلقہ موجود نہیں۔ حیات بھی اسی مادّے کی طبعی، کیمیاوی ترکیب کی لطیف ترین صورت ہے۔ نفس یا ذہن بھی اسی مادّے کی عضویاتی ترکیب کا مظہر ہے[۳]۔ قدیم یونان میں دیمقراطیس اور لیوکراٹس اس نظریے کے مشہور مبلغ گزرے ہیں جبکہ ارنسٹ ہیگل اس نظریے کا زبردست حامی تھا[۴]۔ مسیحی متکلمین کی تمام تر مخالفت کے باوجود مادّیت پسندی کا نظریہ فروغ پاتا رہا اور سائنس اور مادّیت دوش بدوش چلتی رہیں۔ لیکن بیسویں صدی کے اوائل میں مادّیت کی جنم دی ہوئی جدید سائنس ہی نے مادّیت پسندی کے نظریے میں بہت سے رخنے ڈال دیے[۴]۔ جرمنی میں رومینٹک فلسفے کے خلاف نہایت شدید ردعمل کا اظہار مادّیتی ادبیات میں ہوا۔ جس کو جرمنی کے اندر انیسویں صدی میں فروغ حاصل ہوا۔ اور یہیں سے نظریۂ مادّیت پرست کو مزید فروغ ہوا۔[۵] اب مادّیت پرستی سماج کے دائرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ سیاست سے سیکولرازم

اور جمہوریت، معیشت میں سود اور استیصال، سماج میں عریانیت و بدکاری، جنس پرستی، سب کا تعلق مادّیت سے ہے۔٦

اس مقالے میں ہم اردو کے چار افسانہ نگاروں کے ہاں روحانیت اور مادّیت کے عناصر تلاش کریں گے۔ ان افسانہ نگاروں میں قدرت اللہ شہاب، ممتاز مفتی اور اشفاق احمد اور بانو قدسیہ شامل ہیں۔

قدرت اللہ شہاب (١٩١٧ء-١٩٨٦ء)

قدرت اللہ شہاب کے افسانوں میں واضح طور پر روحانیت اور مادّیت کی کشمکش موجود ہے وہ اپنے افسانے میں انسان کی ظاہری و باطنی کشمکش کو موضوع بناتے ہیں انھوں نے اپنے افسانے ''جگ جگ'' میں بیسواؤں، طوائفوں اور کال گرلز کو موضوع بناتے ہوئے اک شریف آدمی کی ظاہری و باطنی، روحانیت و مادّی کشمکش کو بے حد خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

''اس کے بیوپار میں کئی قسم کی جنس تھی۔ کالی بی بی اور گوری بی بی، رنگت میں امتیاز تھا نسل میں فرق تھا، بازار الگ الگ تھے، قیمت جدا جدا تھی، لیکن جگ جگ ایک بین الاقوامی چیز تھی وہ بنی نوع انسان کی مشترکہ جائداد ہے اور ہر کسی کے لیے ہے ٹوکری میں رکھے ہوئے تربوز کی طرح جس کی ایک پھانک کاٹ کر اسے خفیہ طور پر ننگا کر دیا ہو''۷

اس افسانے کے مرکزی کردار افضل کو جب ہر مقام پر ''جگ جگ'' کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو آخر میں وہ اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ مسلمان گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کا ضمیر اسے زنا جیسے قبیح فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کلکتہ آنے کے بعد افضل کی کیفیت کا اندازہ اس اقتباس سے کیا جا سکتا ہے۔

''افضل جس جگہ جاتا اس کے سامنے جگ جگ آجاتی تھی کلکتے کی ساری شہراہیں ایک ہی منزل پر مل رہی تھیں۔ ٹیکسیوں میں جگ جگ تھی، رکشاؤں میں جگ جگ تھی، گھوڑا گاڑیوں میں جگ جگ تھی۔۔۔۔ وہ سرسراتی ہوئی خوبصورت ساڑیوں میں تھی وہ خوشنما پردوں کے پیچھے تھی۸۔

وہ کلکتے میں شادی کا سامان خریدنے آیا تھا اس کا یہ مطلب تو نہ تھا کہ ہر راہ چلتی عورت کے قدموں میں پامال ہو جائے۹۔ افضل کی ضمیر کی کشمکش نے اسے آخر تک برائی سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر آخر وہ اپنے نفس کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔ قدرت اللہ شہاب نے افسانے کا اختتام اس جملے پر کیا ہے۔ ''جگ جگ ماں نہیں ہے، جگ جگ بہن نہیں ہے، جگ جگ بیوی نہیں ہے۔۔۔۔ تو کیا جگ جگ سانپ ہے؟ وہ اپنے ڈرپوک ضمیر سے لڑتا جا رہا تھا۱۰۔ ''جگ جگ'' ایک بڑی صنعتی شہر کی جنسی زندگی کا وہ کلیدی اشارہ ہے جس سے سارے چور دروازے کھل جاتے ہیں لیکن یہ افسانہ صرف اشارے تک محدود نہیں۔ افضل کے کردار کو جس ہنر مندی سے اُبھارا گیا ہے اور اس کے ذہنی ہیجانات کی جس ماہرانہ

صداقت سے جائزہ لے کر آخری نقش تک مکمل کیا ہے وہ سماجی طنز کی بڑی گہری صورت ہے ١١۔ یہ افسانہ قدرت اللہ شہاب کی پستیوں کی تہہ تک پہنچنے والی نظر اور ان کے بلندیوں کی خبر لانے والے اخلاقی رجحان دونوں کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے ١٢۔

قدرت اللہ شہاب کا نمائندہ افسانہ ''یا خدا'' قیام پاکستان کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ملا علی بخش کی بیٹی دلشاد ہے۔ مملکت پاکستان کی تشکیل میں لاکھوں انسانوں کا خون شامل ہے خاص طور پر بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و ناموس کو تار تار کیا گیا۔ ''یا خدا'' اسی سانحے کی داستان ہے۔ ''یا خدا'' کے لیے ممتاز شیریں کا کہنا ہے کہ:

''شہاب نے اس افسانے میں ''عورت'' کو لیا ہے۔ جس کا ان فسادات کے دوران سب سے بیش بہا گوہر زبردستی بے دردی سے لوٹ لیا گیا ہے۔ پھر وہ متواتر اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں لٹتی رہی یہاں تک کہ وہ بے حس ہوگئی ہے اس گوہر کے لٹنے کا اسے احساس نہیں اپنی عصمت کے کھو جانے کا اسے غم نہیں رہا اس کی روح کی حس مر چکی ہے کہ وہ اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنائے'' ١٣

''یا خدا'' میں دلشاد مشرقی پنجاب میں اگر غیر مسلم کے ہاتھوں اس کی عزت لوٹی گئی تو پاکستان آنے کے بعد لاہور اور کراچی کے فوجی کیمپ میں بھی اپنے ہم مذہبوں کے ہاتھوں اس کی عزت محفوظ نہ رہی ١٤۔ دلشاد کے لیے ارض موعود پر پہنچنے کا تصور بہت خوش کن تھا مگر اس تصور کی سزا اسے پاکستان پہنچنے کے بعد بھی ملتی رہی۔ قدرت اللہ شہاب ''یا خدا'' کے انجام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اس کہانی کا انجام بھی میرے ذہن نے نہیں سوچا اسے میری گنہگار آنکھوں نے کراچی کے عید گاہ میدان میں دیکھا جہاں بے خانمانوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے یہیں دلشاد، یا اس نام کی عورتیں مجھے پکوڑے تلتی، بیچتی نظر آئیں، ساتھ والی سے کہا'' بہن ذرا میرے بچے کا دھیان رکھنا، میں بیسن لے آؤں'' اور کسی کے ساتھ بیسن لینے چل دیں۔ یہ پکوڑے برسوں تلے جاتے رہے اور بکتے رہے، شاید اب بھی ان میں سے باقی ہوں۔ یہ بچے اب تیرہ چودہ برس کے ہونہار قلی، مزدور یا بھک منگے، اس ارض موعود کے شہریوں میں شامل ہیں'' ١٥۔

''یا خدا'' میں لطیف طنز بھی اور ہلکا سا مزاح بھی لیکن فضا الم ناکی اور درد سے مملو ہے ١٦۔ ''یا خدا'' میں شروع سے آخر تک نیکی، بدی، اختیار، مجبوری، نفس پرستی اور مادیت کی بے شمار مثالیں موجود نظر آتی ہیں۔

قدرت اللہ شہاب کا افسانہ ''ماں جی'' درحقیقت خاکے کے ذیل میں آتا ہے۔ ''یا خدا'' کی طرح اس افسانے نے بھی بے حد مقبولیت حاصل کی۔ احمد ندیم قاسمی کا کہنا ہے کہ شہاب اگر ''ماں جی'' کے سوا کوئی چیز نہ لکھتا جب بھی ادب

اسے صدیوں تک فراموش نہیں کر سکتا۔ ۱۷۔اس افسانے میں اک اسرار موجود ہے جو شروع سے آخر تک قاری کو اپنے حصار میں رکھتا ہے۔

"ان کے پاس گنتی کی چند چیزیں تھیں تین جوڑے کپڑوں کے، ایک جوڑا دیسی جوتا، ایک جوڑا ربڑ کے چپل، ایک عینک، ایک انگوٹھی جس میں تین چھوٹے چھوٹے فیروزے جڑے ہوئے تھے ایک جائے نماز ایک تسبیح اور باقی اللہ اللہ" ۱۸۔

"پہننے کے تین جوڑوں کو وہ خاص اہتمام سے رکھتی تھیں ایک زیب تن، دوسرا اپنے ہاتھوں سے دھوکر تکیے کے نیچے رکھا رہتا تھا تا کہ استری ہو جائے۔ تیسرا دھونے کے لیے تیار ان کے علاوہ اگر چوتھا کپڑا ان کے پاس آتا تھا تو وہ چپکے سے ایک جوڑا کسی کو دے دیتی تھیں۔ اسی وجہ سے ساری عمر انہیں سوٹ کیس رکھنے کی حاجت محسوس نہ ہوئی" ۱۹۔

اس خاکے کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

"اگر ماں جی کے نام پر خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے زیادہ ہمت نہیں ہوتی۔ لیکن مسجد کا ملا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہوگئی ہے۔ ماں جی کے نام پر فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے۔ لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں پلاؤ زردے کا اہتمام لازم ہے۔" ۲۰

ماں جی کا نام آتا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے لیکن رویا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا ۲۱۔ "ماں جی" قدرت اللہ شہادت کی ایک ایسی تخلیق ہے جس کے بارے میں احمد ندیم قاسمی کا کہنا ہے کہ "میں اسے افسانہ یا انشائیہ یا سکیچ یا تاثر یا تذکرہ کچھ بھی کہنے کا فیصلہ کروں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس گراں مایہ تحریر کے ساتھ بے انصافی کر رہا ہوں 'ماں جی' ان تمام نثری اصناف سے وابستہ ہو کر بھی ان سب سے کوئی الگ اور بلند چیز ہے ۲۲۔

قدرت اللہ شہاب کا یہ افسانہ تاثر کے حوالے سے سادگی کا مرقع ہے۔ ماں جی کے کردار میں شروع سے آخر تک روحانیت محسوس ہوتی ہے یہ افسانہ قاری کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس افسانے کو پڑھنے کے بعد قاری یہ یقین نہیں کر پاتا کہ یہ قدرت اللہ شہاب نے لکھا ہے جن کے قلم کی کاٹ، یا خدا، جگ جگ، اور عائشہ آ گئی، وغیرہ میں نمایاں ہے۔ قدرت اللہ شہاب نے اپنے اکثر افسانوں میں عورت کی بے بسی اور اس پر جنسی تشدد اور جنس کو موضوع بنایا ہے۔ "نمبر پلیز"، "اسٹینو گرافر"، "غریب خانہ"، "آپا"، "پھوڑے والی ٹانگ"، "تلاش"، "پکے پکے آم" کا موضوع

عورت اور اس کا استیصال ہے۔

ممتاز مفتی (۱۹۰۵ء۔۱۹۹۵ء)

ممتاز مفتی اردو ادب کا ایک معتبر نام ہے۔انھوں نے افسانے، ناول، سفر نامے، خاکے اور ڈرامے لکھے۔ان کا ادبی سفر کافی طویل ہے۲۳۔۱۹۴۵ء تک ممتاز مفتی کے دو افسانوی مجموعے منظر عام پر آچکے تھے۔نفسیاتی اور جنسی موضوعات پر ہونے کی وجہ سے ممتاز مفتی کو اپنے اردگرد کے لوگوں کے بے شمار طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑا۲۴۔

ممتاز مفتی کا شمار اردو کے جنسی اور نفسیاتی افسانہ لکھنے والے افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔وہ فرائڈ کے نظریات کے عکاس نظر آتے ہیں۔ممتاز مفتی جرأت اور حوصلے کے حوالے سے دیگر ادیبوں سے منفرد ہیں۔انھوں نے نفسیات اور جنس کے حوالے سے ہر موضوع پر بغیر جھجکے قلم اٹھایا اور انسانی زندگی کے ایسے گوشوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی جن پر پردہ پڑا ہوا تھا۔

ان کے افسانوں کا ماحول زیادہ تر متوسط اور بالائی طبقے سے متعلق ہوتا ہے۔عام طور پر ان کے افسانوں میں ایک چونکا دینے والی اور نرالی کیفیت بھی ہوتی ہے۔انسانی کمینگیوں، کمزوریوں اور فطری جبلتوں کو ممتاز مفتی بہت اہمیت دیتے ہیں۔ان میں دلچسپی لیتے ہیں وہ زندگی کو کلی شکل میں دیکھتے ہیں ۲۵۔

ممتاز مفتی اپنے افسانوی مجموعے''ان کہی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

اس مجموعے کی بیشتر کہانیوں میں نفس لاشعور کے کسی نہ کسی پہلو کے اظہار کی کوشش کی گئی ہے اور نفس لاشعور کا اظہار ہی میرے مصنف بننے کا جواز یا بہانہ ہے۔یہ ایک الجھا ہوا بکھیڑا ہے۔بہر حال اگر میں نفس لاشعور کے ابوالہول کی پراسرار قسم کی جھلک نہیں دکھا سکا تو بھی مجھے تسکین ہے کہ میں نے اس اہم اور دقیق موضوع پر لکھنے کی جرأت اور کوشش کی ہے۲۶۔

موضوع، مواد اور تکنیک کے اعتبار سے ممتاز مفتی نے اردو افسانے کو نیا موڑ دیا ہے۔اردو افسانے میں نفسیاتی مسائل خصوصاً شعور اور تحت الشعور کی کیفیات کو اول اول ممتاز مفتی نے برتا ہے۔۲۷۔عورت کے حوالے سے ممتاز مفتی دو انتہاؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں ان کی تحریروں میں عورت یا تو مزاجاً طوائف ہے یا مزاجاً صوفی ہے، ان دونوں کے درمیان کہیں ایک نارمل عورت بھی ہے، یہی عورت سب سے مشکل ہے اور ممتاز مفتی اس عورت کو دیکھنے میں ناکام رہے۔۲۸۔مفتی کے افسانوں کی بڑی تعداد نوجوان جذبوں اور ان سے پیدا ہونے والی اُلجھنوں پر مبنی ہے۲۹۔

ممتاز مفتی کا نمائندہ افسانہ'' آپا'' معاشرے میں موجود دو طرح کے کرداروں کی عکاسی کرتا ہے۔'' آپا'' جیسے کردار اس زمانے میں عام طور پر گھروں میں نظر آیا کرتے تھے جب کہ ساجو باجی کا کردار عام نہ تھا۔اس افسانے کے ہیرو

نے سجدے کی چمک دمک سے متاثر ہوکر آپا یعنی نور جہاں کو مسترد کر دیا تھا۔ شادی کے بعد جب سجدے اک پھوہڑ عورت کے روپ میں سامنے آئی تو افسانے کے ہیرو کو یہ اندازہ ہوا کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی ۳۰؎۔

افسانہ ''جھکی جھکی آنکھیں'' میں ممتاز مفتی نے مشرقی عورت کی جذباتی کشمکش کو موضوع بنایا ہے اس افسانے کو ہم مادّیت کے ذیل میں پیش کر سکتے ہیں۔ ''یہ دیوی'' کا موضوع عورت ہے جو اپنے سے دگنی عمر کے شوہر سے زیادہ دیور میں دلچسپی لیتی ہے یہ افسانہ بھی ممتاز مفتی کے جنسی رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ ''غسل آفتابی'' میں ممتاز مفتی نے ایک مولوی کو موضوع بنایا ہے جس کی دوغلی شخصیت ظاہری و باطنی کشمکش کا شکار ہے۔

ممتاز مفتی کے افسانے ''چپ'' میں عورت جنس کے ہاتھوں مجبور ہوکر فاحشہ کے روپ میں نظر آتی ہے جو جائز رشتوں میں کشش محسوس نہیں کرتی لیکن ناجائز رشتے میں معاشرتی پابندیاں ہوں اس کے لیے تسکین کا باعث ہیں۔ بقول عظمیٰ فرمان ''چپ'' کی ''جیناں'' کا کردار ایسا ہے کہ وہ صرف ناجائز رشتوں میں ہی کشش محسوس کرتی ہے۔ شوہر میں بھی صرف اسی وقت کشش محسوس کرتی ہے جب اس کے اور شوہر کے درمیان کچھ معاشرتی پابندیاں حائل ہو جاتی ہیں ۳۱؎۔

''وہ انجم'' میں ممتاز مفتی نے ایک طوائف کو موضوع بنایا ہے جو ایک شریف عورت کی طرح سچی محبت کرنے کی آرزومند ہوتی ہے ۳۲؎۔ ''گڑیا گھر'' ممتاز مفتی کا ایک نمائندہ افسانہ ہے۔ جس میں مادّیت پرستی کی ان گنت مثالیں موجود ہیں۔ بالائی طبقے سے تعلق رکھنے والی فوضیہ کا ذکر ممتاز مفتی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> ''وہ ایک ایسے شریف گھرانے میں پیدا ہوئی تھی جہاں بہت سی گڑیاں مخملیں کیسوں میں رہتی تھیں۔ وہ سب مقررہ وقت پر چلتی پھرتیں، مقررہ وقت پر موضوع باتیں کرتیں، مقررہ وقت پر باہر جاتیں اور مقررہ وقت پر اپنے اپنے کیسوں میں پڑ کر سو جاتی تھیں۔ ان کی ہر بات مناسب طور پر عمل میں آتی تھی۔ مناسب اور موزوں فقرے انہیں ازبر کرادیے جاتے اور مناسب اور موزوں وقت پر وہ انھیں دہرا دیتی تھیں'' ۳۳؎

افسانہ ''روغنی پتلے'' میں ممتاز مفتی نے فیشن آرکیڈ میں کھڑے ہوئے پتلوں کے درمیان مکالموں سے جدت اور قدامت کو ظاہر کیا ہے۔ مشرقی قوم مغرب سے کتنی ہی متاثر کیوں نہ ہو اسے اپنی مشرقی اقدار کو اپنانا ہی پڑتا ہے۔ ''دومونہی'' میں اک عورت کی دورخی شخصیت کو موضوع بنایا ہے جسے ہر جگہ اپنی انا قربان کرنی پڑتی ہے بالآخر وہ یہ بات سمجھ جاتی ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی میں قربان کر دے تو اپنے دورخے پن سے نجات حاصل کر لے گی۔

مجموعی طور پر ممتاز مفتی کے افسانے نفسیاتی اور جنسی رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں روحانیت سے زیادہ مادّیت اور جنسی نظریات کی عکاسی نظر آتی ہے۔

اشفاق احمد (۱۹۲۵ء۔۲۰۰۵ء)

اشفاق احمد کا نمائندہ افسانہ ''گڈریا'' ہے جس میں انھوں نے داؤ جی کی کہانی بیان کی ہے۔ جن کا نام پنڈت چنت رام ہے جو بظاہر غیر مسلم ہیں مگر اک مسلمان اُستاد سے تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے حضورﷺ اور مسلمانوں کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ انھیں عربی فارسی اور دیگر علوم پر عبور ہے حتیٰ کہ قرآنی سورتیں اور کلمہ بھی یاد ہے۔ کچہری میں عرضی نویس کا کام کرنے والے داؤ جی گھر میں اپنی بیوی کے ہاتھوں صبح شام ذلیل ہوتے ہیں کیونکہ گھر کا خرچہ ان کی بدزبان بیوی سلائی کرکے پورا کرتی ہے۔ افسانے کا ایک اور کردار گولو کا ہے جسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ گولو کے والد داؤ جی کو گولو کا استاد مقرر کرتے ہیں تو میٹرک کا امتحان پاس کروانے کے لیے داؤ جی دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوستان سے آنے والے مسلمان ہندوؤں کے چھوڑے گئے خالی گھروں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ داؤ جی ایک دن کے لیے اپنے کسی رشتے دار سے ملنے جاتے ہیں تو ان کے گھر پر بھی قبضہ ہو جاتا ہے۔ ان کی واپسی پر گاؤں کے نوجوان مسلمان لڑکے ان پر تشدد کرتے ہیں۔ گولو کے منع کرنے کے باوجود رانو دودھ والے کے کہنے پر داؤ جی کی لمبی چوٹی کاٹ کر ان کو گنجا کر کے چرواہا بنا دیا جاتا ہے اور داؤ جی انتہائی شرافت اور خاموشی سے یہ ظلم بھی سہہ جاتے ہیں ۳۴۔

انوار احمد کا کہنا ہے کہ داؤ جی کے کردار کی تشکیل میں آئیڈیل ازم کا بڑا حصہ ہے۔ مگر نہ صرف ایک ہزار برس کی ثقافتی روایت کو بھگتی اور تصوف کے انسان دوست رویوں کے تناظر میں داؤ جی کو دیکھیں، داؤ جی کا اپنی بیٹی کے بیاہ کے لیے استخارہ کرنا، ڈولی میں روتی ہوئی بیٹی سے کہنا کہ لاحول پڑھو۔ حکیم سیستانی سے علم ہندسہ پڑھنا، پورا سکندر نامہ زبانی یاد کرنا، اپنے معذور مسلمان معلم کو کندھوں پر اُٹھائے اُٹھائے پھرنا اور حال کھیلنا خلاف قیاس نہیں ۳۵۔

اشفاق احمد کا ایک اور نمائندہ افسانہ ''اجلے پھول'' بھی ایسی ہی روحانی کیفیات کا عکاس ہے۔ اس افسانے میں آپی کا کردار ابتدا میں عام افسانوی محبوب کی عکاسی کرتا ہے مگر جب آپی کے محبوب انجم کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے تو روز قبرستان جا کر تازہ پھولوں کی چادر چڑھانا اور صبر کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بھی آنسو نہ بہانا اور پھر مشرقی معاشرے کی نارمل لڑکیوں کی طرح کسی اور کے سنگ رخصت ہو جانا روحانی رشتے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے ۳۶۔

افسانہ ''چور'' میں اشفاق صاحب نے ظاہر و باطن کی جو کشمکش پیش کی ہے اسے ہم مکمل طور پر مادّیت اور روحانیت کے ذیل میں لے سکتے ہیں۔ چور کا ایک گھر میں چوری کرنا، پیسوں کے ساتھ شکیلہ بیگم کا بھائی جان کے نام خط ہونا کہ یہ پیسے انھوں نے اپنے بیٹے کے علاج کے لیے جمع کیے ہیں۔ پیسوں کی موجودگی میں چور کا ضمیر کی مسلسل خلش میں مبتلا ہو جانا اور پیسے خرچ نہ کرنا، کئی دفعہ پیسے واپس کرنے کا ارادہ کرنا مگر یہ ممکن نظر نہ آنا۔ تھک ہار کر قصور چلے جانا اور واپسی پر شکیلہ بیگم کے گھر سے بچے کا جنازہ نکلتے ہوئے دیکھنا، بچے کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر پھولوں کا چھابا اور پانی ڈلوا کر ضمیر

کی خلش سے مستقل نجات پالینا، چور کے کردار میں واضح طور پر روحانیت اور مادّیت کی کشمکش کی عکاسی کرتا ہے۳۷۔

اپنے افسانے ''بیا جاناں'' میں اشفاق صاحب نے تصوف کو بنیادی موضوع کے طور پر پیش کیا ہے اور لوگوں کی ضعیف الاعتقادی پر ضرب لگا کر انھیں جھوٹے پیروں سے ہوشیار رہنے کی کوشش کی ہے۔ انسان جھوٹے پیروں تک رسائی اپنی مادّی خواہشات کی تکمیل کے لیے کرتا ہے اور کبھی کبھی یہ رسائی روحانی سکون اور عافیت کے لیے بھی ہوتی ہے۔

مقتدا منصور کا کہنا ہے کہ ''اشفاق احمد نے ہمیں یہ درس دیا کہ دنیا بھر کے فلسفے کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ کبھی اپنی فلسفے کی کتابوں پر بھی نظر ڈالنی چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ شاہ لطیف نے کیا پیغام دیا؟ بابا بلھے شاہ کیا کہنا چاہتے تھے؟ خواجہ غلام فرید نے کیا سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اپنی دھرتی پر بکھرے موتیوں کو سمیٹ کر سینۂ قرطاس پر نقش کریں اور انھوں نے خود اس کام کو نہایت سلیقے سے انجام دیا۵۴۔ اشفاق احمد کے بعض افسانوں میں تقسیم پاکستان کا المیہ پوری طرح موجود ہے۔ اشفاق احمد کے دو افسانوں ''گڈریا'' اور ''بابا'' تو درد کی انتہاؤں کو چھوتے دکھائی دیتے ہیں ۳۸۔

اشفاق صاحب کے کئی افسانوں کے کردار سگریٹ کی لت میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ سگریٹ اور لڑکی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ''عجیب بادشاہ''، طوطا کہانی'' ''توبہ'' وغیرہ میں اشفاق صاحب قاری کے جواں دل کو سلگاتے ہیں جبکہ ''تلاش'' نامی افسانے میں انھوں نے اک ''کتے'' کے ذریعے انسان کو درس دینے کی کوشش کی ہے۔

اشفاق احمد کے یہاں جنس اور نفسیات سے جنس کا سراغ بھی ملتا ہے انھوں نے نئی تہذیب وثقافت سے پیدا ہونے والی نفسیاتی اُلجھنوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۳۹۔ اشفاق احمد کے افسانوں میں حال کو چھوڑ کر ماضی کی طرف رجوع کرنے کا رجحان ملتا ہے مگر اس میں افسردگی نہیں ہوتی بلکہ ان یادوں میں وہی لذت محسوس ہوتی ہے جو بچوں کو پریوں کی کہانیوں میں محسوس ہوتی ہے۴۰۔

بانو قدسیہ (پ: ۱۹۲۸ء)

بانو قدسیہ کے افسانوں کے موضوعات معاشی، معاشرتی، سماجی اور باہمی رشتے اور عورت کے جسمانی اور روحانی مسائل ہیں۔ انھوں نے طبقاتی کشمکش، معاشرتی رسم ورواج، نوجوان نسل کی بے راہ روی، ان کے ذہنی مسائل، محبت، جنس، عورت کا احساس محرومی، عدم تحفظ اور خوف اور راز دواجی تعلقات کو بے حد خوبی سے برتا ہے۴۱۔

بانو قدسیہ کے افسانوں میں عورت ہر رنگ اور روپ میں نظر آتی ہے۔ ''ہو نقش اگر باطل'' کی عطیہ ''بازگشت'' کی بے وفا عینی ''توجہ کی طالب'' کی نصرت ''انتر ہوت اُداسی'' کی ہاجرہ، ہر افسانے میں عورت کا کردار مختلف انداز سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ بانو قدسیہ نے ان گنت افسانے تحریر کیے۔ ان کے افسانوں میں ''کلو''، ''امر بیل''، ''موج محیط آب''، ''انتر ہوت اُداسی''، ''سوغات''، ''چھمو'' وغیرہ کو ان کے نمائندہ افسانے قرار دیا جاسکتا ہے۔

بانو قدسیہ کے افسانوں میں بھی اس دور کی عام افسانہ نگاروں کی طرح جنس کا موضوع ذائقے، تفریح اور حقائق کی نشاندہی کیلئے استعمال ہوا ہے۴۲۔

ان کے افسانے ''ہو نقش اگر باطل'' میں شروع سے آخر تک روحانی اور مادّی کشمکش موجود ہے۔ پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت کی محبت میں مبتلا ہونا مادّیت اور دوسری عورت سے شادی کے بعد پہلی بیوی کی یاد آنا اور مسلسل یاد آنا، روحانی رشتے کے ذیل میں لیا جا سکتا ہے۴۳۔ بانو قدسیہ کے افسانے ''سوغات'' میں بدچلن مرد کو اپنی بیوی کی پاکیزگی گالی محسوس ہوتی ہے جب وہ عورت شوہر کے طعنوں سے عاجز آ کر غلط راہ اپناتی ہے تو تحفے میں شوہر اسے سوکن پیش کر دیتا ہے۴۴۔

افسانہ ''امر بیل'' میں بانو قدسیہ نے ایک نوعمر لڑکی کے اپنے باپ کی عمر کے آدمی سے عشق کی داستان بیان کی ہے جو اس لڑکی کی محبت کو کسی طرح قبول نہیں کرتا۔ بالآخر وہ لڑکی موت کو گلے لگا لیتی ہے۔ یہ افسانہ ایک ایسے شخص کی داستان ہے جسے محبت کی امر بیل اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے۔ ایک معصوم لڑکی کی محبت کو ٹھکرانے کے نتیجے میں وہ اپنی محبت سے بھی ہاتھ دھو لیتا ہے۔ دونوں محبتوں سے نامراد یہ شخص خود کو یادوں کے اندھیروں میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے۴۵۔

بانو قدسیہ کے افسانے ''واماندگیٔ شوق'' میں بھی مشرقی و مغربی گھرانے کی کشمکش موجود ہے۔ بانو قدسیہ کا نمائندہ افسانہ ''کلو'' ہے جس کے حوالے سے بانو قدسیہ کا کہنا ہے کہ ہم مشرقی لوگ عجیب ہوتے ہیں ہمیشہ انگریزوں کی غلامی میں رہے۔ انھوں نے ہمیں کالا آدمی کہہ کر مخاطب کیا تو ہمارا خون کھولنے لگا مگر ہمارے اپنے معاشرے میں بھی کالے اور گورے کا ایسا لمبا سلسلہ موجود ہے جو سمٹنے میں نہیں آتا۔ میرا یہ افسانہ میرے اس خیال کی شاید اچھی طرح تشریح نہ کر سکا ہو لیکن اتنی خوشی ضرور ہے کہ میں نے اپنی اس کوشش ضرور کی ہے۔۴۶۔

اک اور افسانے ''انتر ہوت اُداسی'' میں بانو قدسیہ نے اک معاشی اور معاشرتی لحاظ سے پست عورت کو مختلف مواقعوں پر جنسی استیصال پر سمجھوتہ کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ ''مچھو''، ''بیوگی کا داغ'' اور ''سامان شیون'' میں بھی بانو قدسیہ نے اچھوتے موضوعات کو بے حد خوبصورتی سے برتا ہے۔ بانو قدسیہ کے افسانوں میں کہانی کا زیادہ تر حصہ خود کلامی اور پر مشتمل ہوتا ہے جو بیانیہ انداز میں سامنے آتا ہے۔ کردار بہت سی باتیں سوچتا ہے اور خود ہی اس کی نفی کر دیتا ہے۔ ان کے افسانوں میں کہیں کہیں ماورائیت بھی نظر آتی ہے جب کہ ان کا افسانہ خود شناس تصوف پر مبنی ہے۔ ان کے افسانے مراجعت، بکری اور چرواہا، نیلوفر وغیرہ میں بھی تصوف کا عنصر موجود ہے۔ بانو قدسیہ کے افسانے فنی پختگی کا مظہر ہیں۔

اگر ان چاروں افسانہ نگاروں کے فن پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شہاب کے افسانوں کی تعداد اگرچہ کم ہے مگر ان کے افسانوں کے موضوعات اس بات کے غماز ہیں کہ وہ زندگی کی باریکیوں پر گہری نظر

رکھتے تھے۔ان کی تحریروں میں اچھائی اور برائی کی بڑی واضح حدود ملتی ہیں۔قدرت اللہ شہاب کے افسانوں میں حقیقت پسندی، مادّیت اور جنس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔''یا خدا''،''جگ جگ''،''اور عائشہ آ گئی''،''غریب خانہ''، پکے پکے آم''میں انسان جنس کے حوالے سے بے حسی کی سب سے آخری منزل پر نظر آتا ہے۔جبکہ''ماں جی''میں شروع سے آخر تک ایک روحانی کیفیت نظر آتی ہے۔

ممتاز مفتی ابتدا میں فرائڈ کے نظریات سے متاثر تھے جس کے اثرات ان کی اوّلین تحریروں پر نظر آتے ہیں۔ان کے کئی افسانوں میں جنس اور انسانی نفسیات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ ممتاز مفتی کی فکر میں تبدیلی رونما ہوئی اور وہ روحانیت کے بھی قائل ہوتے چلے گئے جس کی واضح مثالیں ان کی تصانیف''لبیّک''،''الکھ نگری''اور ''تلاش''میں موجود ہیں۔ممتاز مفتی کے افسانوں میں روحانیت سے زیادہ مادّیت اور جنس پرستی کا رجحان غالب ہے جب کہ ان کی دیگر تصانیف میں روحانیت کی بھی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔

اشفاق احمد بحیثیت صوفی بھی جانے جاتے ہیں ان کے ٹی وی پروگرام''زاویہ''اور کتاب''بابا صاحبا''میں اشفاق صاحب کی صوفیانہ سوچ کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔اشفاق احمد کے افسانوں میں شروع سے آخر تک روحانیت و مادّیت، نیکی و بدی، ظاہر اور باطن کی بھرپور کشمکش موجود ہے، جس کی اہم ترین مثال''گڈریا''اور''چور''ہیں۔اشفاق احمد موچی، کسان، کمہار اور معمولی پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ذریعے اپنا فلسفہ قاری تک پہنچاتے ہیں۔بعض افسانوں میں ہجرت کا دکھ اور فسادات کا فلسفہ نظر آتا ہے۔محبت اور بچے اشفاق احمد کے افسانوں کے خاص موضوعات ہیں۔اشفاق احمد کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کے افسانوں میں بھی تصوّف کی جھلک نظر آتی ہے۔

بانو قدسیہ کے اکثر افسانوں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی مرد قلم کار کی تخلیق ہیں۔ان کے کئی افسانے خود شناس تصوّف پر مبنی ہے۔ان کے افسانے مراجعت، بکری اور چرواہا، نیلوفر وغیرہ میں تصوّف کا عنصر موجود ہے۔بانو قدسیہ کے افسانے فنی پختگی کا مظہر ہیں۔ان کے افسانوں میں معاشرتی اور جنسی استیصال عام موضوع ہے۔ان کے افسانے عورت کی نفسیات سے متعارف کرواتے ہیں۔ان کے کئی افسانوں میں عورت کی زندگی کی مختلف پرتوں کی عکاسی ملتی ہے مثلاً''امر بیل''،''موج محیط آب''،''انتر ہوت اداسی''،سوغات''وغیرہ۔ان کے افسانے''واماندگی شوق''میں قدامت پرستی اور جدت پرستی کی واضح کشمکش موجود ہے۔جب کہ''انتر ہوت اداسی''میں بانو قدسیہ نے عورت کے جنسی استیصال کو موضوع بنایا ہے۔''سامان شیون''میں نوکروں کے ذریعے پرورش پانے والے بچوں کی دو رخی شخصیت کی عکاسی کی ہے۔''کال کلچی''میں بانو قدسیہ نے واضح طور پر مشرق اور مغرب کی عورت کا موازنہ کیا ہے۔بانو کے افسانوں میں معاشرتی سطح پر روحانیت اور مادّیت کی بھرپور کشمکش موجود ہے۔

اس مطالعے سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان چاروں افسانہ نگاروں کے ہاں روحانیت اور مادّیت موجود ہے لیکن قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، بانو قدسیہ کا غالب رجحان روحانیت کی طرف اور ممتاز مفتی کا ابتدائی رجحان مادّیت کی طرف تھا۔ ممتاز مفتی آخر میں روحانیت کی طرف آ گئے تھے۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ اردو لغت (تاریخی اصول پہ) (ج ۵)، ص ۲۵۹

۲۔ نور اللغات، ص ۲۰۲

۳۔ قیصر الاسلام، قاضی، فلسفے کے بنیادی مسائل، ص ۷۰، ۷۱

۴۔ ایضاً، ص ۷۱

۵۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز (مرتب)، کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص ۱۶۱

۶۔ www.irak/2011/april-16-2011/

۷۔ شہاب، قدرت اللہ، جگ جگ، مشمولہ: نفسانے، ص ۳۳، ۳۴

۸۔ ایضاً، ص ۳۴

۹۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۱۔ فوق، حنیف، شہاب کے افسانے، مشمولہ: قومی زبان، جولائی، ۱۹۸۷ء، ص ۳۱

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۳۔ شیریں، ممتاز، دیباچہ یا خدا، مشمولہ: قومی زبان، اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۱۲۰

۱۴۔ منظر شہزاد، پاکستان میں اُردو افسانے کے پچاس سال، ص ۹۹، ۱۰۰

۱۵۔ شہاب، قدرت اللہ، اس کہانی کی کہانی، مشمولہ: یا خدا، ص ۹، ۱۰

۱۶۔ صدیقی، ثناالحق، شہاب ایک عظیم انسان، مشمولہ: قومی زبان اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۴۲

۱۷۔ احمد ندیم، قاسمی، دیباچہ ماں جی، مشمولہ: سرخ فیتہ، ص ۷۹

۱۸۔ شہاب، قدرت اللہ، ماں جی، مشمولہ: سرخ فیتہ، ص ۸۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۸۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۹۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۹۴

۲۲۔ احمد ندیم، قاسمی، دیباچہ ماں جی، مشمولہ: سرخ فیتہ ،ص۷۹
۲۳۔ رائی، محمد صدیق، اردو ادب کا مفتی، ص۹ تا ۱۰
۲۴۔ سید، فرزانہ، نقوش ادب، ص۴۸۴
۲۵۔ مفتی، ممتاز، دیباچہ، ان کہی، ص۶
۲۶۔ فتح پوری، فرمان، محولہ بالا، ص۹۱
۲۷۔ فرمان، عظمیٰ، ممتاز مفتی کے افسانے اور عورت، مشمولہ: قومی زبان، مئی ۲۰۰۲ء، ص۲۶
۲۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مفتی، ممتاز، آپا، مشمولہ: ان کہی
۲۹۔ ممتاز مفتی، جھکی جھکی آنکھیں مشمولہ: ان کہی
۳۰۔ فرمان، عظمیٰ، ممتاز مفتی کے افسانے اور عورت، مشمولہ: قومی زبان، مئی ۲۰۰۲ء، ص۲۵
۳۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مفتی ممتاز، مفتیانے، ص۶۱۱
۳۲۔ مفتی، ممتاز، گڑیا گھر، مشمولہ مفتیانے، ص۱۸
۳۳۔ مکمل افسانہ ملاحظہ ہو: احمد، شفاق گڈریا، مشمولہ: اُجلے پھول، ص۱۲۴ تا ۱۸۷
۳۴۔ احمد، انوار، اُردو افسانہ، ص۴۷۷، ۴۷۸
۳۵۔ مطالعے کے لیے دیکھئے: احمد اشفاق، اُجلے پھول، ص۵ تا ۳۱
۳۶۔ احمد اشفاق، چور مشمولہ 'سفر مینا، ص۱۷۵ تا ۱۸۲
۳۷۔ منصور مقتدا، وہ خود سو گیا داستاں کہتے کہتے صدائے جرس، مشمولہ: روزنامہ ایکس پریس، پیر، ۱۳ ستمبر
۳۸۔ اے حمید، احمد اشفاق، شخصیت اور فن، ص۳۴
۳۹۔ شاکر، امجد علی، اُردو ادب تاریخ و تنقید، ص۵۲۹
۴۰۔ عظیم، وقار، داستان سے افسانے تک، ص۳۷۵
۴۱۔ افضل، عفت، بانو قدسیہ شخصیت اور فن، ص۵۳
۴۲۔ ایضاً، ص۶۹
۴۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قدسیہ بانو، ہو نقش اگر باطل، مشمولہ: توجہ کی طالب
۴۴۔ افضل، عفت، بانو قدسیہ شخصیت اور فن ۵۴
۴۵۔ فتح پوری، فرمان، اُردو افسانہ اور افسانہ نگار، ص۲۳۰، ۲۳۱
۴۶۔ بیگ، مرزا حامد، افسانے کا منظر نامہ، ص۴۳، ۴۴
۴۷۔ فوق، حنیف، شہاب کے افسانے محولہ بالا، ص۶۳

☆☆☆